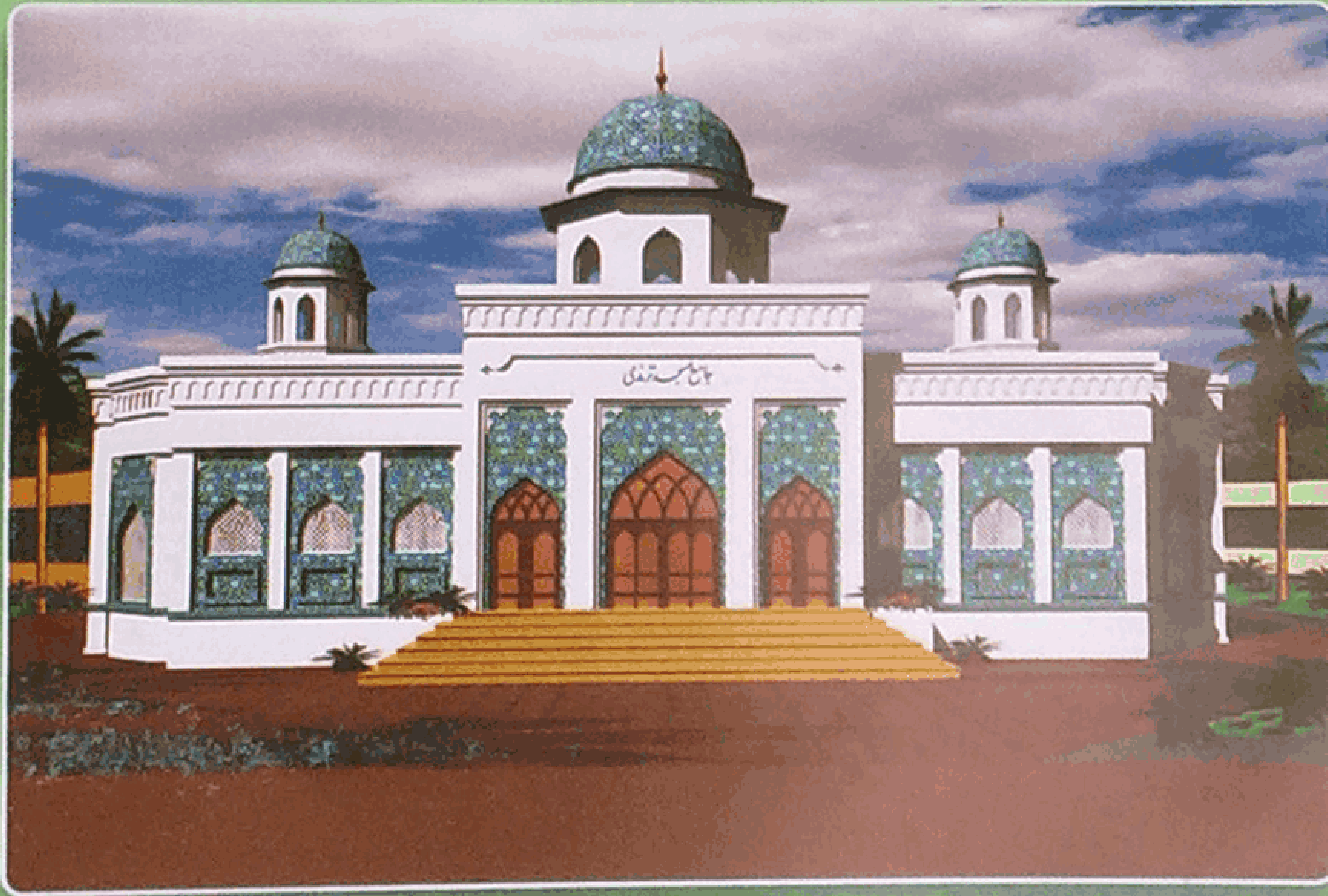
جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

محرم الحرام ۱۴۳۳ھ / دسمبر 2011ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

خط وکتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com فون : 048-6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی **پرنٹر:** جناب محمد منیر صاحب فائن پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

کلمۃ الحق شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

شادی بیاہ کی رسمیں

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی تھی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھاتوان کے کپڑوں پرایک پیلاسانشان نظرآیا،آپ نے پوچھا کہ یہ کیسانشان ہے ؟حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیاکہ میں نے ایک خاتون سے نکاح کیاہے (مطلب یہ تھاکہ نکاح کے موقع پرکپڑوں پرخوشبولگائی تھی اس کایہ نشان باقی رہ گیا) آنحضرت ﷺ نے انہیں برکت کی دعادی اورفرمایاکہ ولیمہ کرنا،چاہے ایک بکری ہی کاہو۔

اندازہ لگائیے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کے اتنے قریبی صحابی ہیں کہ دس منتخب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کاشمارہوتاہے ، لیکن انہوں نے نکاح کیاتونکاح کی مجلس میں آنحضرت ﷺ تک کودعوت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی ، آپ ﷺ نے کپڑوں پرلگی ہوئی خوشبوکانشان دیکھ کر سوال کیاتو انہوں نے بتایاکہ میں نے نکاح کیاہے ،آنحضرت ﷺ نے بھی کوئی شکایت نہیں فرمائی کہ تم اکیلے اکیلے نکاح کربیٹھے اورہمیں پوچھابھی نہیں،شکایت کے بجائے آپ ﷺ نے انہیں دعادی،البتہ ساتھ ہی یہ ترغیب بھی دی کہ ولیمہ کریں۔

دراصل اسلام نے نکاح کواتناآسان اوراتناسادہ بنایاکہ جب دونوں فریق راضی ہوں وہ کسی بے جارکاوٹ کے بغیریہ رشتہ قائم کرسکیں ،شریعت نے یہ شرط بھی نہیں لگائی کہ کوئی قاضی یاعالم ہی نکاح پڑھائے ،شریعت کی طرف سے شرط صرف اتنی ہے کہ

نکاح کی مجلس میں دو گواہ موجود ہوں۔ اگر دولہا دلہن عاقل و بالغ ہوں تو ان میں سے کوئی دوسرے سے کہہ دے کہ میں نے تم سے نکاح کیا، دوسرا جواب دیدے کہ میں نے قبول کیا بس نکاح ہوگیا، نہ اس کے لئے کسی عدالت میں جانے کی ضرورت ہے نہ کسی تقریب کی کوئی شرط ہے نہ دعوت ضروری ہے نہ جہیز لازمی ہے، ہاں دلہن کے اکرام کے لئے مہر ضروری ہے اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ مہر کا تعین بھی نکاح ہی کے وقت کرلیا جائے لیکن اگر بالفرض نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ آیا ہو تب بھی نکاح ہوجاتا ہے، اور مہر مثل لازم سمجھا جاتا ہے نکاح کے وقت خطبہ بھی ایک سنت ہے اور حتی الامکان اس سنت کی برکات ضرور حاصل کرنی چاہئیں، لیکن نکاح کی صحت اس پر موقوف نہیں، لہٰذا اگر خطبہ کے بغیر ہی ایجاب و قبول کرلیا جائے تب بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے، نکاح میں کوئی نقص نہیں آتا۔

ولیمہ جس کی ترغیب آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا احادیث میں دی ہے وہ بھی سنت ہے لیکن اول تو وہ بھی ایسا فرض یا واجب نہیں کہ اس کے بغیر نکاح نہ ہوسکتا ہو دوسرے اس کی کوئی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی، نہ مہمانوں کی کوئی تعداد لازمی قرار دی ہے ہر شخص اپنی مالی استطاعت کے اعتبار سے اس کا فیصلہ کرسکتا ہے اور اس کے لئے قرض ادھار کرنے کی نہ صرف کوئی حاجت نہیں بلکہ ایسا کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے کوئی شخص جتنے مختصر پیمانے پر ولیمہ کرسکتا ہے اتنے ہی مختصر پیمانے پر کرلے، اور نہ کرسکے تب بھی اس سے نکاح میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

اسلام نے نکاح کو اتنا آسان اس لئے کیا تھا کہ نکاح انسانی فطرت کا ایک ضروری تقاضا جائز طریقے سے پورا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اور اگر اس جائز ذریعے پر رکاوٹیں عائد کی جائیں یا اس کو مشکل بنایا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ بے راہ روی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے، جب کوئی شخص اپنی فطری ضرورت پوری کرنے کے لئے جائز راستے بند پائے گا تو

اس کے دل میں ناجائز راستوں کی طلب پیدا ہوگی اور اس طرح پورا معاشرہ بگاڑ کا شکار ہوگا۔

لیکن اسلام نے نکاح کو جتنا آسان بنایا تھا ہمارے موجودہ معاشرتی ڈھانچے نے اسے اتنا ہی مشکل بنا ڈالا ہے نکاح کے بابرکت معاہدے پر ہم نے لامتناہی رسموں تقریبات اور فضول اخراجات کا ایسا بوجھ لاد رکھا ہے کہ ایک غریب بلکہ متوسط آمدنی والے شخص کے لئے بھی وہ ایک ناقابل عبور پہاڑ بن کر رہ گیا ہے اور کوئی شخص اس وقت تک نکاح کا تصور نہیں کر سکتا جب تک اس کے پاس (گری سے گری حالت میں بھی) لاکھ دو لاکھ روپے موجود نہ ہوں۔ یہ لاکھ دو لاکھ روپے نکاح کی حقیقی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے نہیں بلکہ صرف فضول رسموں کا پیٹ بھرنے کے لئے درکار ہیں، جنہیں خرچ کرنے سے زندگی کی حقیقی ضروریات پوری کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔

شریعت کی طرف سے نکاح کے موقع پر لے دے کر صرف ایک دعوت ولیمہ مسنون تھی اور وہ بھی ہر شخص کی استطاعت کے مطابق لیکن اب تقریبات اور دعوتوں کا سلسلہ روزبروز بڑھتا ہی جارہا ہے منگنی کی تقریب ایک مستقل شادی کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے اور عین نکاح کے موقع پر مہندی ابٹن سے لے کر چوتھی بہوڑے تک تقریباً ہر روز کسی نہ کسی تقریب کا اہتمام لازمی سمجھ لیا گیا ہے جس کے بغیر شادی بیاہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پھر تقریبات میں بھی زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ نت نئے اخراجات کا اضافہ ہورہا ہے، نئے نئے مطالبے سامنے آرہے ہیں، نئی نئی رسمیں وجود میں آرہی ہیں غرض فضولیات کا ایک طومار ہے جس نے شادی کو خاص طور سے غریب اور متوسط آدمی کے لئے ایک ایسی ذمہ داری میں تبدیل کر دیا ہے جو عام طور پر صرف حلال آمدنی سے پوری نہیں ہوسکتی، لہٰذا اسے پورا کرنے کے لئے کہیں نہ کہیں ناجائز ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اس طرح نکاح کا یہ کار خیر نہ جانے کتنی بدعنوانیوں اور کتنے گناہوں کا ملغوبہ بن کر رہ جاتا ہے، اور

جس نکاح کا آغاز ہی بدعنوانی یا گناہ سے ہو، اس میں خیر و برکت کہاں سے آئے گی؟

خوشی کے موقع پر اعتدال کے ساتھ خوشی منانے پر شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی لیکن خوشی منانے کے نام پر ہم نے اپنے آپ کو جن بے شمار رسموں میں جکڑ لیا ہے ان کا نتیجہ یہ ہے کہ خوشی جو دل کی فرحت کا نام تھا وہ تو پیچھے چلی گئی ہے اور رسموں کے لگے بندھے قواعد آگے آگے ہیں جن کی ذرا خلاف ورزی ہو تو شکوے شکایتوں اور طعن و تشنیع کا طوفان کھڑا ہو جاتا ہے لہذا شادی کی تقریبات رسموں کی خانہ پُری کی نذر ہو جاتی ہیں، جس میں پیسہ تو پانی کی طرح بہتا ہی ہے دل و دماغ ہر وقت رسمی قواعد کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں، شادی کے انتظام کرنے والے تھک کر چور ہو جاتے ہیں پھر بھی کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی شکایت کا سامان پیدا ہو ہی جاتا ہے، جس کے نتیجے میں بعض اوقات لڑائی جھگڑوں تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

زبان سے اس صوت حال کو ہم سب قابل اصلاح سمجھتے ہیں، لیکن جب عمل کی نوبت آتی ہے تو عموماً پرنالہ وہیں گرتا ہے اور ایک ایک کر کے ہم تمام رسموں کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے جاتے ہیں۔

اس صورت حال کا کوئی حل اس کے سوا نہیں ہے کہ اول تو بااثر اور خوش حال لوگ بھی اپنی شادیوں کی تقریبات میں حتی الامکان سادگی اختیار کریں، اور ہمت کر کے ان رسموں کو توڑیں جنہوں نے شادی کو ایک عذاب بنا کر رکھ دیا ہے دوسرے اگر دولت مند افراد اس طریق کار کو نہیں چھوڑتے تو کم از کم محدود آمدنی والے افراد یہ طے کر لیں کہ وہ دولت مندوں کی حرص میں اپنا پیسہ اور توانائیاں ضائع کرنے کے بجائے اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلائیں گے اور اپنی استطاعت کی حدود سے آگے نہیں بڑھیں گے۔

اس سلسلے میں اگر ہم مندرجہ ذیل باتوں کا خاص طور پر اہتمام کر لیں تو امید ہے کہ

مذکورہ بالاخرابیوں میں ان شاء اللہ نمایاں کمی واقع ہوگی:

(۱) خاص نکاح اور ولیمہ کی تقریبات کے علاوہ جو تقریبات منگنی، مہندی، ابٹن، اور چوتھی وغیرہ کے نام سے رواج پاگئی ہیں ان کو یکسر ختم کیا جائے، اور یہ طے کرلیا جائے کہ ہماری شادیوں میں یہ تقریبات نہیں ہوں گی، فریقین اگر واقعی محبت اور خوش دلی سے ایک دوسرے کو کوئی تحفہ دینا یا بھیجنا چاہتے ہیں تو وہ کسی باقاعدہ تقریب اور لاؤلشکر کے بغیر سادگی سے پیش کردیں گے۔

(۲) اظہار مسرت کے کسی بھی مخصوص طریقے کو لازمی اور ضروری نہ سمجھا جائے، بلکہ ہر شخص اپنے حالات اور وسائل کے مطابق بے تکلفی سے جو طرز عمل اختیار کرنا چاہے کرلے نہ وہ خود کسی کی حرص کا شکار یا رسموں کا پابند ہو، نہ دوسرے اسے مطعون کریں۔

(۳) نکاح اور ولیمے کی تقریبات بھی حتی الامکان سادگی سے اپنے وسائل کی حد میں رہتے ہوئے منعقد کی جائیں، اور صاحب تقریب کا یہ حق تسلیم کیا جائے کہ وہ اپنے خاندانی یا مالی حالات کے مطابق جس کو چاہے دعوت دے اور جس کو چاہے دعوت نہ دے، اس معاملے میں بھی کسی کو کوئی سنجیدہ شکایت نہیں ہونی چاہئے۔

(۴) نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہمیشہ ہمارے سامنے رہے کہ ''سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں زیرباری کم سے کم ہو''یعنی جس میں انسان نہ مالی طور پر زیربار ہو اور نہ بے جا مشقت ومحنت کے کسی بوجھ میں مبتلا ہو۔

۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۹۵ء

(ذکر و فکر)

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن ابی سعیدالخدری انه سمع رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم یقول اذااسلم العبدفحسن اسلامه یکفراللهعنه کل سیئة کان زلفهاو کان بعدذٰلک القصاص الحسنةبعشر امثالهاالیٰ سبعمائة ضعف والسیئة بمثلها الاان یتجاوزاللهعنها(رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب بندہ اسلام قبول کرلیتا ہے اور اس کا اسلام اچھا ہوتا ہے تو جو برائیاں اس سے پہلے کی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اسلام کی برکت سے ان سب کو معاف کردیتا ہے اور اس کے بعد اس کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی پر دس دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ثواب دیا جاتا ہے اور برائی کرنے پر وہ اسی ایک برائی کی سزا کا مستحق ہوتا ہے الایہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر فرمائے اور معاف ہی فرمادے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دین (اسلام) کو اپنا دین بنانے سے اور مسلمان ہوجانے سے پچھلے گناہ معاف ہونے کی یہ شرط ہے کہ اسلام کا حسن بھی زندگی میں آجائے (یعنی اس کا قلب وباطن نوراسلام سے منوراور قالب وظاہراللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے مزین اورآراستہ ہوجائے ،فحسن اسلامه کا یہی مطلب ہے پس اگر کسی شخص کی زندگی اسلام میں آجانے کے بعد بھی نوراسلام اوراسلام کے حسن سے خالی رہی اوراس کے ظاہروباطن پراسلام کا رنگ نہیں

چڑھا تو پچھلے سب گناہوں سے معافی کا یہ اعلان اس کے لیے نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک دیے جانے کا انعامی قانون بھی انہی بندوں کے لیے ہے جنہوں نے اسلام کا کچھ حسن اپنے اندر پیدا کر لیا ہو اور اس حسن کی کمی بیشی کے حساب سے ہی نیکیوں کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک ملے گا۔

ایمان لانے کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ ہو جاتے ہیں

عن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰه الا اللّٰہ فمن قالها فقد عصم منی ماله ونفسه الا بحقه وحسابه علی اللّٰہ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں، پس جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو گیا اس نے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا سوائے اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت اس مکالمہ کے ضمن میں آتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں ان کے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا۔

اس حدیث میں بھی لا الٰہ الا اللہ کہنے سے مراد دعوت اسلام کا قبول کرنا ہے اور جس طرح مذکورہ سابق احادیث میں اسلام قبول کرنے کا اخروی نتیجہ عذاب دوزخ سے نجات اور حصول جنت بتایا گیا ہے اسی طرح اس حدیث میں قبول اسلام کا ایک دنیوی اور

قانونی نتیجہ جان و مال کا محفوظ و مامون ہوجانا بتلایا گیا ہے، نیز اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری جنگ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے بندوں کو اس کی بندگی کے راستے پر لگایا جائے اور ان کو عذاب ابدی سے نجات دلائی جائے لہٰذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کرلے اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار اس کے مقرر کیے ہوئے طریقۂ زندگی (دین اسلام) کو اپنا دین بنالے اس کے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

الا بحقه کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اس نے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جرم کیا کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضہ اس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہوا تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی اور لا الٰہ الا اللہ کہنے اور مسلمان کہلانے کی وجہ سے وہ اس قانونی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

وحسابه علی الله کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کلمۂ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کرے گا ہم اس کو مومن اور مسلم تسلیم کرکے اس کے خلاف جنگ بند کردیں گے اور اس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے لیکن اگر فی الواقع اس کی نیت میں کوئی برائی اور اس کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگی تو اس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے جو عالم الغیب اور علیم بذات الصدور ہے وہی اس سے حساب کرلے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابر اور طارق اشجعی سے بھی روایت کی گئی ہے اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہوجاتی ہے، ہم ان میں سے بعض روایت ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

عن ابی هریرة عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا الٰه الا اللہ ویؤمنوا بی وبما جئت به فاذا فعلوا ذٰلک عصموا منی دمائهم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی اللہ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیں اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لے آئیں، سو جب وہ ایسا کرلیں تو انہوں نے اپنے جان ومال کو مجھ سے محفوظ کرلیا سوائے اس حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

تشریح: اس حدیث میں لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہونے کا جو ذکر ہے اس سے دعوت اسلام کا قبول کرنا ہی مراد ہے۔

عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا الٰه الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ ویقیموا الصلٰوة ویؤتوا الزکٰوة فاذا فعلوا ذٰلک عصموا منی دمائهم واموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم علی اللہ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں اس وقت تک کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار واعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور

محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوۃ ادا کرنے لگیں پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

تشریح: اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت کے علاوہ نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے اور درحقیقت ان دو رکنوں کا ذکر بھی صرف تمثیل اور نشانی کے طور پر کیا گیا ہے ورنہ یہاں بھی مراد یہی ہے کہ اللہ کے دین پر ایمان لے آئیں اور دعوت اسلام کو قبول کرلیں جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں ویؤمنوابی وبماجئت به (اور مجھ پر ایمان لاویں اور جو ہدایت میں لایا ہوں اس پر ایمان لاویں) کے مختصر مگر جامع الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

بقلم: حضرت مولانا حافظ ابرار الحق صاحب حقی تصحیح: مولانا محمد اسعد اللہ رامپوری قدس سرہما

○ فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے الشوم فی ثلٰثۃ المرأۃ والدار والفرس او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم شراح حدیث نے شوم فی الدار کی تفسیر یہ بھی کی ہے کہ مکان تنگ ہو ضرورتوں کے لیے کافی نہ ہو۔ تنگ مکان سے واقعی بہت تکلیف ہوتی ہے حدیث شریف میں وسعت مکان کی دعا بھی آئی ہے چنانچہ ارشاد ہے اللھم وسعنی فی داری یعنی اے اللہ! مجھ کو مکان کے بارے میں وسعت دیجئے۔

○ ایک صاحب نے حضرت کی دعوت کرنا چاہی اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ حضرت کے ہمراہ چند احباب کو اور بھی مدعو کرنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا اب میں ضعف کی وجہ سے کسی کے ساتھ کھانے کا متحمل نہیں ہوں پہلے مہانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتا تھا لیکن اب یہ معمول ترک کر دیا ہے ساتھ کھانے سے یا تو پیٹ نہیں بھرتا یا زیادہ کھانا پڑتا ہے کیونکہ جلیس یا جلساء کی رعایت کرنا پڑتی ہے، اس لیے ساتھ کھانے سے معذوری ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ہمارے قصبات میں عام عرف ہے کہ بیویاں شوہروں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتی ہیں میں نے اس رسم کو توڑ دیا ہے، دونوں گھروں میں ساتھ کھانا کھاتا ہوں۔ چونکہ اپنے اہل سے بے تکلفی ہوتی ہے اس لیے تکلیف نہیں ہوتی نہ وقت کی پابندی نہ ساتھ دینا ضروری، جب جی چاہا اور جتنا جی چاہا کھالیا۔ مگر مہانوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جاتا فطری طور پر ان کی رعایت کی جاتی ہے اس لیے اب اس کا تحمل نہیں۔

○ ایک صاحب نے قلندر کے اصطلاحی معنی دریافت کئے حضرت نے فرمایا قلندر

اصطلاح فن میں اس کو کہتے ہیں جو اعمال ظاہرہ میں تو تقلیل کرتا ہو یعنی فرائض واجبات اور سنتوں کے علاوہ نفل نماز نفل روزہ نفل حج وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہ کرتا ہو اور اصلاح باطن اور اعمال قلب میں انہماک وشغف رکھتا ہو باقی آج کل جو مشہور ہے کہ قلندر وہ ہے جو چہار ابرو کا صفایا کرائے بالکل لغو اور غلط ہے ، بددین جاہلوں کی من گھڑت ہے ۔ اس غلط شہرت کی وجہ سے لوگ پہلے بابرکت قلندروں کو بھی اس نمونہ کا خیال کرتے ہوں گے ، استغفراللہ حضرت شرف الدین قلندر بڑے عالم اور متبع شریعت تھے ۔

O ایک مسلسل گفتگو کے درمیان میں فرمایا شہید شاعر الہ آباد سے کانپور گئے وہاں کے شعراء نے مشورہ کیا کہ مجلس مشاعرہ میں مشہور شاعر شہیدی کا کلام پڑھ کر اس کی خوب داد دی جائے تاکہ یہ شہید شرمندہ ہوں کہ یہاں میری قدر نہیں ہوئی بلکہ شہیدی کی قدر ہوئی چنانچہ اس تجویز کے مطابق ان کے سامنے شہیدی کا کلام مختلف لوگوں نے پڑھا اور خوب خوب تعریفیں کیں۔ شہید تھے بڑے ذہین ہر شخص کی تعریف پر شاعروں کے دستور کے مطابق آداب بجالاتے ، شکریہ ادا کرتے لوگوں نے کہا کہ آپ نے آداب عرض ، آداب عرض کی کیوں زحمت گوارہ فرمائی ۔ نہ یہ آپ کا کلام تھا نہ کسی نے آپ کو داد دی ۔ انہوں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ یہ میرا کلام نہیں لیکن میری بی بی کا تو ہے اور وہ یہاں موجود نہیں ہے اس لیے میرا فرض تھا کہ میں ان کی طرف سے آپ حضرات کی قدردانی کا شکریہ ادا کروں ۔ اسی سلسلہ میں فرمایا خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب جب اشعار پڑھتے ہیں تو مدہوش ہوجاتے ہیں خواجہ صاحب کا کلام واقعی کلام ہے ۔ مسائل تصوف خوب بیان کرتے ہیں میں نے رائے دی تھی کہ ان کے کلام کو جمع کرکے شائع کرایا جائے اور جن اشعار میں مسائل تصوف کی طرف اشارہ ہے ان کی بقدر ضرورت شرح بھی کردی جائے ۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ

عصمت انبیاء علیہم السلام علماء حق کی نظر میں (قسط ۱)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم:

بعدہ گزارش آنکہ بنی اسرائیل کی مذہبی کتابوں اور اسرائیلیات کے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ان کتابوں میں بعض انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی ذوات مطہرہ اور نفوس مقدسہ کی پاکیزہ سیرت کے متعدد واقعات کو مسخ کرکے ایسی بدنما شکل وصورت اور اتنے غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اگر ان کو اسی مسخ شدہ صورت میں تسلیم کرلیا جائے تو انبیاء علیہم السلام کی مقدس سیرت پر بڑا حرف آتا ہے اور ان کا دامنِ عفت آلودہ ،اور پاکدامنی داغدار ہوکر پردہ عصمت چاک ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بنی اسرائیل کی کتابوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق وہ لوگ نہایت ہی غلط قسم کے خیالات واوہام میں مبتلا تھے ۔اور عامیانہ سطح پر بہت ہی پست اور گری ہوئی ذہنیت سے سوچنے کے عادی تھے اور ان برگزیدہ ہستیوں کے بارہ میں تقویٰ وتقدس کے کسی بلندوبالا مقام پر فائز ہونے کے عقیدہ بلکہ تصور سے بھی ان کے اذہان خالی تھے ۔اسلام نے آکران پاکیزہ ہستیوں کی مقدس سیرت سے ایسے تمام داغوں اور بدنما دھبوں کو مٹایا اور صاف کیا جو ان حضرات کے مقام رفیع کے قطعاً نامناسب اور شایان شان نہ تھے۔اور انبیاء علیہم السلام کی عظمت وتقدس کے خلاف اور منافی جتنے بھی تصورات اور خیالات مروج تھے ان سب کی واضح اور واشگاف طریقہ سے پرزور تردید اور اصلاح کرتے ہوئے تمام پیغمبروں اور رسولوں کے تقدس وعظمت اور عصمت انبیاء (گناہوں سے انبیاء کے معصوم ہونے) کے عقیدہ کو اسلام کے اہم ترین بنیادی عقائد میں

داخل کیا۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں اسلامی عقیدہ بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہے اس میں کسی قسم کا اشتباہ اور خفاء نہیں ہے اور بالعموم مسلمانوں کے اذہان بھی اس مسئلہ میں غیر اسلامی تصورات سے بالکل پاک اور صاف ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے ہر گناہ سے معصوم ہونے میں کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی کسی قسم کا شبہ اور خلجان نہیں ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں بعض تجدد پسند عناصر اور بزعم خویش روشن خیال افراد نے انہیں اسرائیلیات پر بنیاد رکھ کر اس مسئلہ کے متعلق کچھ ایسے انداز سے لکھنا شروع کر دیا ہے جس سے خطرہ ہے کہ نو تعلیم یافتہ گروہ انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں پھر انہی غلط خیالات اور نظریات میں مبتلا نہ ہو جائے جن کی اصلاح اور تردید کے لئے اسلام نے عصمت انبیاء کے عقیدہ کو بنیادی حیثیت دی تھی۔

ان غلط خیالات کے لئے راستہ ہموار کرنے کی طرف متجددین کا یہ اقدام ایسے وقت میں (جبکہ فتنہ تحریف و تجدید، دین قیم کی شکل کو مسخ کرنے اور اس کی صورت کو بگاڑنے بلکہ خود سرے سے دین اور اصول دین ہی کے استیصال اور مٹانے پر تلا ہوا ہے) کس قدر سخت خطرناک ہو سکتا ہے۔

حال ہی میں اس سلسلہ کی ایک کتاب ''مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' نظر سے گزری، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کے مؤلف مولانا مفتی محمد یوسف صاحب جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک پشاور نے بھی عصمت انبیاء علیہم السلام پر اس کے باب اول میں ایسے ہی طریقہ سے بحث کی ہے کہ جس سے ان متجددین کے غلط انداز تحریر کی تائید ہوتی ہے۔ اس سے یہ خطرہ اور بھی زیادہ ابھر کر سامنے آجاتا ہے کہ بعض وہ لوگ جن کی معلومات اسلام کے بارہ میں بالکل سطحی اور محدود ہوتی ہیں وہ غلط فہمیوں میں مبتلا نہ

ہوجائیں اور گمراہ فرقوں کو اس کی آڑ میں خودتراشیدہ خیالات اور غلط وفاسد عقائد کی اشاعت اور تائید حاصل کرنے کا موقع ہاتھ نہ آجائے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس بحث کے جن گوشوں سے دلائل وشواہد کی روشنی میں ہمیں اختلاف ہے ان کو واضح کردیا جائے اور مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی محققین امت کے فیصلے اور اکابر علماء اہل سنت کی تحقیقات کو اختصار کے ساتھ قلم بند کرکے ناظرین تک پہنچادیا جائے۔

اسی ضرورت کے پیش نظر یہ سطور ذیل تحریر کی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو مقبول اور نافع فرمائیں، آمین۔

تمہیدی گزارش

اس سے قبل کہ ہم اصل مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر معتبر علماء کرام کی تحقیقات کو پیش کریں ضروری نظر آتا ہے کہ مؤلف موصوف کی خدمت میں بھی یہ گزارش کردیں کہ جس طرح آپ کو دونوں جماعتوں کے مابین نزاعی مسائل کی حقیقت علماء محققین کی علمی تحقیقات کی روشنی میں واضح کرکے دکھلانے کی ضرورت اختلاف کی شدت ختم کرنے اور مولانا مودودی کے بارہ میں پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالہ کرنے کے لئے پیش آئی۔ (علمی جائزہ ص۲۹) اسی طرح ہمیں بھی آپ کے اس طریقہ بحث سے عوامی حلقوں میں مزید غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کے خطرہ نے (جن کی فکر آپ کو بھی دامن گیر ہے) اس پر مجبور کیا کہ اپنے اس مضمون کے ذریعہ مزید غلط فہمیوں کی روک تھام کریں اور عوام کو عموماً اور نیم تعلیم یافتہ طبقہ کو خصوصاً ان غلط فہمیوں میں مبتلا ہونے سے بچائیں جن کے پیدا ہونے کا خطرہ آپ کے اس طریقہ بحث سے ہورہا ہے۔

ہم یہ بات بھی واضح کردیں کہ آپ نے بقول خود ایک مسلم جماعت کے سربراہ کے متعلق شکوک وشبہات اور پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالہ کا جو فرض سرانجام دیا ہے

اس میں آپ خواہ حد سے زیادہ نیک نیت ہی کیوں نہ ہوں مگر اس کے نتائج بہرصورت اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مجموعی لحاظ سے مفید نہیں ہیں بلکہ مضر ہی برآمد ہوں گے اور ان نازک مسائل کی جس طرح آپ نے تشریح کی ہے وہ بے شک دور حاضر کے فتنوں کے پیش نظر عوام کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ثابت ہوگی۔ اور اس سے مسلمانوں کا نقصان ہی نقصان ہے نہ کہ فائدہ اس لئے بہتر بلکہ ضروری تھا کہ آپ ان نازک مسائل کی اس طرح تشریح نہ کرتے جس سے بزعم خود ایک مسلم جماعت کے سربراہ کے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کرتے ہوئے عوامی حلقوں کے اندر مزید غلط فہمیوں کے پیدا ہوجانے کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا اور اس ذمہ داری سے آپ یہ کہہ کر سبکدوش اور بری نہیں ہوسکتے کہ ان (غلط فہمیوں کے پیدا ہونے) کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوگی جو محض گروہی تعصبات کی وجہ سے یہ مسائل عوام کے سامنے لاکر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کررہے ہیں۔ (علمی جائزہ ص۲۹) اس لئے کہ عوامی حلقوں میں مزید غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا خطرہ تو اسی علمی جائزہ کی اشاعت اور نازک مسائل کی آپ کی اس طرح تشریح سے ہورہا ہے اور اسی کی اشاعت سے آپ کو یہ فکر دامن گیر بھی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا سامان تو آپ فراہم کریں اور تمام تر ذمہ داری عائد ہوگی دوسرے لوگوں پر۔

کیا مؤلف یہ بتلاسکتے ہیں کہ یہ تمام تر ذمہ داری مولانا مودودی کی تفہیمات پر کیوں نہ عائد ہوگی جس میں انہوں نے عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق تمام علماء اہل سنت کے خلاف اپنا یہ مخصوص نظریہ (ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت عصمت وحفاظت کا اٹھالینا) بیان کرکے اس بحث کا دروازہ کھول دیا اب اگر علماء اسلام اس نظریہ کی تردید کرتے ہیں تو آپ ان کو گروہی تعصبات کا طعنہ دے کر ان کی بات کو بے اثر کرنے کی کوشش میں مصروف ہوگئے مگر آپ اس خطرہ کے احساس کے باوجود کہ آپ کی اس بحث سے عوام

مبتلاء فتنہ ہوں گے مولانا مودودی کے بارہ میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش میں گروہی تعصب سے بھی بالاتر ہیں۔

اور اگر آپ کی اس کوشش سے عوامی حلقوں کے اندر مزید غلط فہمیاں پیدا ہوئیں تو ان کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیئے بھی آپ تیار نہیں ہیں بلکہ آپ کے نزدیک مولانا مودودی کے بارہ میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ اتنا ضروری ہے خواہ ان کے ازالہ میں عوام دینی مسائل کے بارہ میں مزید غلط فہمیوں ہی میں کیوں نہ مبتلا ہوجائیں مگر آپ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے گویا آپ کے نزدیک مولانا مودودی کی طرف سے صفائی پیش کرنا دوسرے لفظوں میں ان کے مخصوص نظریات کی تائید اور حمایت کرنا تو ضروری ہے مگر عوام کے عقائد کی حفاظت کرنا ضروری نہیں ہے۔ اب آپ خود ہی غور کریں کہ آپ کا مولانا مودودی کی اس طریقہ سے حمایت کرنا کیا اس گروہی تعصب سے کچھ کم ہے جس کا طعنہ آپ دوسرے لوگوں کو دے کر ان کی بات کو بے اثر کرنے کی فکر میں ہیں یا آپ کا یہ طریقہ اس سے بھی بڑھ کر شخصیت پرستی کی حد میں داخل ہے؟

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام

اب پہلے ہم اہل حق علماء اہل سنت کی تحقیقات کی روشنی میں اسلام کے بنیادی عقیدہ ''عصمت انبیاء علیہم السلام'' کو پیش کرتے ہیں۔

اہل حق کا عقیدہ

اس عقیدہ پر اہل سنت والجماعت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم اور محفوظ ہوتے ہیں یعنی صغیرہ اور کبیرہ (چھوٹے اور بڑے) ہر قسم کے گناہ سے وہ پاک ہوتے ہیں۔ ارادہ اور قصد کے ساتھ ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی کا ہونا ممکن نہیں۔

عصمت کے معنیٰ

عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہروباطن نفس وشیطان کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہوں۔ نفس وشیطان کی مداخلت ہی معصیت اورنافرمانی کامادہ ہے اورمادہ معصیت سے پاک ہونے کانام عصمت ہے۔ محقق دوانی رحمہ اللہ شرح عقائدمیں فرماتے ہیں: العصمة ان لا یخلق اللہ تعالیٰ فیهم ذنباً(ص۹۷) عصمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے کسی بھی قسم کاگناہ نہ ہونے دیں۔

عصمت کی تشریح

خالق کائنات نے انسان کی تخلیق اورپیدائش متضادقوتوں اورمختلف طاقتوں سے فرمائی ہے یعنی انسان کونیک اوربددونوں قسم کی قوتیں عطاکی گئی ہیں وہ گناہ بھی کرسکتاہے اورنیکی بھی، وہ ارادۂ بدکابھی حامل ہے اورارادۂ خیرکابھی اوریہی اس کے انسانی شرف کاطغرائے امتیازہے۔ان متضادقوتوں کے حامل انسان میں حضرت حق تعالیٰ انسانی رشد وہدایت اوروصول الی اللہ کے لئے کسی ہستی کوچن لیتے ہیں اوراس کواپنارسول اورپیغمبر بنالیتے ہیں تواس کوہرقسم کی نافرمانیوں سے منزہ اورگناہوں سے پاک کرکے رکھتے ہیں اگرچہ وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح متضاداورمختلف قوتوں کاحامل ہوتاہے لیکن عمل اور ارادہ میں اس سے ہرقسم کی بدی اوربرائی کے ظہورکوناممکن اورمحال کردیاجاتاہے تاکہ اس کاہرارادہ اورہرعمل اورہرقول غرض ہرحرکت وسکون کائنات کے لئے اسوہ اورنمونہ بن سکے۔اوراس کی وجہ یہ ہے کہ انسان میں شراوربرائی کی طاقتیں صرف دوہیں ایک نفس یہ اندرونی طاقت اوردوسری شیطان یہ بیرونی طاقت ہے۔

لیکن انبیاء علیہم السلام کوپیدائشی طورپروہ نفس مرحمت ہوتاہے وہ فطرتاً ہر معصیت سے نفوراورنشۂ عبدیت سے چورہوتاہے ان کے نفوس پیدائشی طورپر مطمئنہ

ہوتے ہیں وہ اپنے کسی دورحیات میں بھی خفیف سے خفیف اور ہلکی سے ہلکی ناشایاں اورنامناسب حرکت کی طرف میلان نہیں رکھتے اب رہی بیرونی طاقت یعنی شیطان تو انبیاء علیہم السلام کے تقدس کے سامنے وہ اس طرح بے بس عاجزاورسرنگوں ہوکررہ جاتی ہے کہ کسی برائی کی طرف دعوت دینے کااس میں کوئی حوصلہ ہی باقی نہیں رہتابلکہ جس طرح ایک مقہوراورمغلوب دشمن کے لئے موافقت کئے بغیرکوئی چارۂ کارنہیں رہتا اسی طرح یہاں شیطان کوبھی طوعاًوکرھاًانبیاء علیہم السلام کی ملکی اورخیرکی طاقت کے موافق ہوئے بغیرکوئی چارہ کارنہیں رہتا۔

عقائدکے امام کاارشاد

حضرت امام ابومنصورماتریدی فرماتے ہیں ''عصمت حق تعالیٰ کی خاص عنایت اورمہربانی کانام ہے جوانبیاء علیہم السلام کوہمہ وقت خداتعالیٰ کی حکم برداری پرمستعدرکھتی ہے اوراس کی ادنیٰ سی نافرمانی کے ارتکاب کرنے سے بھی دوررکھتی ہے مگراس طریقہ پرنہیں کہ یہ طاقت اورقوت ہی ان کی ذات سے سلب کرلی جائے کیونکہ جس شخص کو مکلف بنایاگیاہے ضروری ہے کہ اس میں صفت اختیارباقی رکھی جائے تاکہ جزاء وسزاکا مسئلہ معقول رہے اورجس مخلوق میں یہ صفت پیدانہیں فرمائی گئی اس کومکلف بھی نہیں بنایاگیاپھراس کے اعمال سے جزاء اورسزاکاتعلق بھی نہیں رکھاگیا''۔(نسیم الریاض بحوالہ ترجمان السنۃ)امام ماتریدی کے ان الفاظ کی کسی قدرتشریح حضرت شاہ اسماعیل شہیددہلوی کے الفاظ ذیل میں سنئے اس سے عصمت کاانبیاء علیہم السلام کے بارہ میں حضرت شاہ اسماعیل شہیددہلوی کاخاص نظریہ بھی معلوم ہوگا۔

شاہ اسماعیل شہیدکے نزدیک عصمت کے معنیٰ

ومعنی عصمت آنست کہ آنچہ بایشاں تعلق مے دارداقوال وافعال وعبادات

وعادات ومعاملات ومقامات واخلاق واحوال آں ہمہ راحق جل وعلیٰ ازمداخلت نفس وشیطان وخطاونسیان بقدرت کاملہ خودمے دارد ملائکۂ حافظین رابرائے ایشاں مے گمارد تاغبار بشریت دامن پاک ایشاں رانہ آلاید۔ (تنبیہ ثانی در حقیقت ولایت از منصب امامت ص ۸ بحوالہ ترجمان السنۃ)

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے معنٰی یہ ہیں کہ ان کے اقوال ہوں یا افعال، عبادات ہوں یا عادات، معاملات ومقامات ہوں یا اخلاق واحوال ان سب کو حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے نفس وشیطان کی دخل اندازی سے محفوظ فرماتا ہے خواہ وہ خطاونسیان کی صورت سے ہی کیوں نہ ہوں اور اپنے حفاظت کرنے والے فرشتے ان کے ساتھ رکھتا ہے تاکہ غبار بشریت ان کے دامن پاک پر ذراسا دھبہ بھی نہ لگا سکے۔

دراصل نبوت اور عصمت ایک ہی حقیقت کے دو اعتبارات سے دو نام ہیں یعنی عصمت کے مذکورہ معنی کی رو سے جو معصوم ہے وہ صرف نبی ہی کی ایک ذات ہے اور جو نبی ہے وہ یقیناً معصوم بھی ہے اس لئے کہ نبوت کسب وریاضات اور مجاہدات کی مشقت کے ذریعہ بتدریج حاصل ہونے والی نعمتوں میں سے نہیں ہے اگر نبوت بھی انہیں نعمتوں میں سے ہوتی جس میں کسب واکتساب کو دخل ہوتا ہے تو یہ ممکن تھا کہ نقص سے کمال تک کا راستہ طے کرنے میں معصیتوں کی ٹھوکریں لگ جائیں لیکن جب نبوت میں کسب واکتساب کا ذرا بھی دخل نہیں ہے بلکہ یہ نعمت جس کو ملی ہے براہ راست خدا تعالیٰ کے اجتباء اور اصطفاء اور اسی کے انتخاب سے ملی ہے تو پھر اس میں کسی معصیت کی ٹھوکر لگ جانے کا امکان کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ جن حضرات کو صفت اجتباء اور اصطفاء کے تحت پرورش کیا جاتا ہے وہ خود نہیں چلتے کہ بشری ضعف ان کے لئے ٹھوکر کا باعث بن سکے بلکہ ان کو بچا بچا کر خود قدرت لے چلتی ہے اور وہی اس کی محافظ ونگران رہتی ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کی ایک دلیل

انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں مرتضیٰ اورمصطفین الاخیار فرمایا ہے ارتضاء اوراصطفاء باب افتعال کے مصدر ہیں جس کی خاصیت ہے اپنے لئے ہونا تو اس قاعدہ لغویہ کی بنا پر مصطفی اور مرتضی کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے لئے پسندیدہ اور برگزیدہ بنالیا ہے اور ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ کا پسندیدہ اور برگزیدہ وہی ہوسکتا ہے جس کا ظاہر و باطن نفس وشیطان کی مداخلت اوراس کی اطاعت سے کلی طور پر پاک ہو اور وہ ظاہری و باطنی طور پر دخل شیطانی اور عوارض نفسانی سے منزہ ہو اور ایک لمحہ کے لئے بھی عنایت ربانی اور حمایت یزدانی اس سے علیحدہ نہ ہو۔ اسی دخل شیطان اور عوارض نفسانی سے بالکل طہارت ونزاہت کا نام عصمت ہے اس طہارت ونزاہت کے ہوتے ہوئے انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کی معصیت کا صدور نہیں ہوسکتا اس لئے وہ صغائر وکبائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

محققین جمہور اہل سنت کا مختار مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغائر سے بھی اسی طرح معصوم ہوتے ہیں جس طرح وہ کبائر سے معصوم ہوتے ہیں، علامہ ابوالمنتہی فقہ اکبر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ '' انبیاء علیہم السلام صغائر اور کبائر، کفر وقبائح سے قبل نبوت اور بعد نبوت منزہ ہیں'' (ص۱۶)

مسامرہ میں ہے :والمختار لجمہور اھل السنۃ العصمۃ عنھما ای عن الکبائر مطلقاً وعن الصغائر الا الصغائر غیر المنفرۃ حال کون اتیان غیر المنفرۃ خطاًفی التاویل اوالسھو مع التنبیہ علیہ اما الصغائر المنفرۃ کسرقۃ لقمۃ اوحبۃ وتسمیٰ صغائر الخسیۃ فھم معصومون عنھما مطلقًا و کذامن غیر المنفرۃ کنظرۃ لاجنبیۃ عمدًا (ص۲۳۴)

جمہور اہل سنت کا مسلک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر سے مطلقاً معصوم ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں: المختار عندنا انه لم یصدر عنهم ذنب لاصغیرة ولا کبیرة من حین جائتهم النبوة (ص۲۸۴ خازن ج۴) ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ نبوت کے بعد انبیاء علیہم السلام سے نہ کبیرہ کا صدور ہو سکتا ہے اور نہ صغیرہ کا سید میر شریف شرح مواقف میں لکھتے ہیں:

المختار عندنا وهو ان الانبیاء فی زمان نبوتهم معصومون عن الکبائر مطلقاً وعن الصغائر عمداً (ص۶۸۹)

علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں رقم طراز ہیں: المذهب عندنا منع الکبائر بعد البعث مطلقا والصغائر عمداً (ص۱۹۳) ہمارا مذہب یہ ہے کہ بعثت کے بعد کبائر کا صدور انبیاء علیہم السلام سے مطلقاً محال ہے اور صغائر کا صدور عمداً محال ہے۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی حاشیہ علی العقائد العضدیہ میں لکھتے ہیں: عصمتهم عن الصغائر عمداً مذهب المختار عند محقق الاشاعرة۔ عمداً صغائر سے معصوم ہونا محققین اشاعرہ کا مذہب ہے۔

حجۃ الاسلام مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بزعم احقر انبیاء علیہم السلام از صغائر و کبائر قبل النبوۃ و بعد النبوۃ بہر طور کہ باشد معصوم اند (بحوالہ ترجمان السنۃ) اور فرماتے ہیں: من پیش ترازیں در مکتوبے ثبت کردہ ام کہ انبیاء علیہم السلام بعد بعثت و ہم قبل بعثت از صغائر و کبائر معصوم اند و بآیات قرآنی ایں دعویٰ را باثبات رسانیدہ ام (فیوض قاسمیہ ص۵۴)

قرآنی آیات سے میں اس دعویٰ کو ثابت کر چکا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام بعثت

کے بعد اور بعثت سے قبل بھی صغائر و کبائر سے ہر طرح معصوم ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی لکھتے ہیں :جو حضرات نبوت سے مشرف ہو چکے ہیں یقیناً وہ گناہگار نہ تھے، نہ قبل نبوت نہ نبوت کے بعد (بیان القرآن)

اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں :ثم انتفاء الکبائروتعمد الصغائر متفق علیه بین اهل الحق ۔پھر جان لو کہ کبائر کا صادر ہونا مطلقاً اور صغائر کا قصداً صادر نہ ہونا اہل حق کے درمیان متفق علیہ مسئلہ ہے۔

متعدد کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ جو کچھ سپرد قلم کیا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر ہر دو سے معصوم ہیں اور یہ کہ مذہب مختار کے موافق انبیاء علیہم السلام سے قصد اور ارادہ کے ساتھ صغائر کا صدور بھی اسی طرح محال ہے جس طرح کبائر کا صدور محال ہے۔

محققین علماء اہل السنۃ کا یہی فیصلہ ہے۔

شرح عقائد کی عبارت پر نظر

محققین اہل سنت کے اس فیصلہ کے خلاف اب انبیاء علیہم السلام سے صغائر کے صدور بالقصد کے جواز کو جو علامہ تفتازانی کی شرح عقائد والی اس عبارت سے ثابت کیا جا رہا ہے: واما الصغائر فتجوز عمداً عند الجمهور (ص)

اس کے متعلق گزارش ہے کہ شرح عقائد کی یہ عبارت اہل السنۃ کے مذہب مختار کے خلاف ہے اور معتزلہ کے مذہب کے موافق ہے۔ تفسیر خازن میں ہے :الثانی قول من منع الکبائروجوزالصغائرعلیٰ جهة العمدوهوقول اکثر المعتزلة (ص۲۸۴ج۴)

اور مسامرہ میں ہے:وھٰذاالقول منقول عن امام الحرمین لناوابی

هاشم من المعتزلة (ص۲۳۲) یہ قول امام الحرمین اورابوہاشم معتزلی سے منقول ہے اور خود علامہ تفتازانی نے بھی شرح مقاصد کی اس عبارت میں جواوپر گزر چکی ہے صدور صغائر کا محال ہونا والمذهب عندنا اورمذہب ہمارے نزدیک یہ ہے کہہ کر بیان کیا ہے جس سے شرح عقائد کے قول مذکور کا خلاف مذہب ہونا علامہ تفتازانی کے قول ہی سے ثابت ہوجاتا ہے اور شرح عقائد کی اس عبارت پر اس کی شرح نبراس میں لکھا ہے:

واما الصغائر بعدالنبوة فتجوز عمداً عندالجمهور وقدتبع الشارح ههنا صاحب المواقف وفيه قصورلان منع الصغيرة عمداً مختار الاشاعرة كمافى شرح المواقف وهومختارالشارح فى التهذيب وشرح المقاصد (نبراس ص۴۵۲)

شارح نے اس جگہ مواقف کا اتباع کیا ہے اوراس میں کوتاہی ہے اس لئے کہ اشاعرہ کا مختار مذہب شرح مواقف کے موافق یہ ہے کہ صغیرہ کا صدور عمداً ممنوع ہے اور یہی شارح کا تہذیب اور شرح مقاصد میں مختار مذہب ہے۔

معلوم ہوا کہ شرح عقائد میں جو صدور صغائر عمداً کے جواز کی نسبت جمہور کی طرف مروی ہے وہ صحیح نہیں ہے اشاعرہ کا مختار مذہب اس کے خلاف ہے اور خود شارح کے بھی مذہب مختار کے یہ خلاف ہے۔

ہماری اس مختصر گزارش سے یہ ثابت ہوگیا کہ شرح عقائد کی یہ عبارت مسلک مختار کے خلاف ہے محققین کی تصریحات سے اوپر ثابت ہوچکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اورمہربانی ہوتی ہے اوروہ ہمہ وقت حق تعالیٰ کی مستقل حفاظت اور نگرانی میں رہتے ہیں۔اس لئے عمل اورارادہ میں ان سے ہر قسم کی برائی اوربدی کا ظہور محال ہے اور کسی بھی چھوٹے یا بڑے گناہ کا سرزد ہونا اور معصیت

اور نافرمانی کا ارادہ اور قصد کے ساتھ انبیاء علیہم السلام سے قطعاً متصور نہیں ہے۔

معصیت کے معنی

معصیت اس مخالفت کو کہتے ہیں جو ارادہ اور قصد کے ساتھ ہو بوجہ غلطی اور نسیان کے نہ ہو اس معنی کی رو سے انبیاء علیہم السلام سے چھوٹی یا بڑی کسی بھی قسم کی معصیت کا صادر ہونا ممکن نہیں ہے البتہ بشریت اور انسانیت سے متصف ہونے کی بنا پر سہو ونسیان اور لغزش کا امکان انبیاء علیہم السلام میں بھی رہتا ہے اور کبھی کبھی عملی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے مگر فوراً ہی اس پر متنبہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

زلت اور لغزش

زلت بمعنی لغزش فتح زا کے ساتھ ہے اس کے معنی ارادہ اور اختیار کے بغیر قدم پھسل جانے کے ہیں یعنی ارادہ تو تھا اطاعت کرنے اور فرمانبرداری کا مگر بے اختیار قدم دوسری طرف جا پڑا اس معنی پر زلت کی حقیقت یہ ہوئی کہ اس کے اندر نہ تو عمل اور کردار میں تمرد اور سرکشی کو دخل ہوتا ہے اور نہ ہی قصد اور ارادہ کے ساتھ حکم کی خلاف ورزی کی جاتی ہے اور پھر ساتھ ہی وہ عمل جو بطور لغزش کے سرزد ہوا ہے اپنی حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے قبیح اور بد اور شر بھی نہیں ہوتا بلکہ اپنی ذات میں اباحت اور جواز کا درجہ رکھتا ہے مگر کرنے والے کی ہستی کے شایان شان نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے عظیم مرتبہ اور عالی رتبہ کے سامنے نازل پست اور ہلکا ہوتا ہے۔ بایں ہمہ اس لئے عمل میں آگیا کہ کرنے والے کی نگاہ میں اس کا اس طرح کرنا خداتعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کی عظمت شان اور بلندی مقام کے لحاظ سے ایسے عمل پر بھی ان کو فوراً انتباہ اور آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ عمل آپ حضرات کے علو شان اور رفعت مقام کے شایان شان نہیں ہے۔

یہ بھی یاد رکھئے کہ اگرانبیا علیہم السلام سے کسی وقت بتقاضائے بشریت کوئی لغزش بطور سہوونسیان صادرہوتی بھی ہے تووہ باہرسے آتی ہے اندر سے نہیں آتی جیسے آب گرم میں حرارت خارجی اثرسے آتی ہے اوراس کے اندرمادہ حرارت کانام ونشان بھی نہیں ہوتاپانی کی طبیعت میں چونکہ سوائے برودت کے اورکچھ نہیں ہوتااس لئے پانی خواہ کتناہی گرم کیوں نہ ہواگراس کوآگ پرڈال دیاجائے تووہ آگ کوبجھادیتاہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کاباطن مادہ معصیت نفس وشیطان کی مداخلت سے بالکل پاک ہوتاہے البتہ کبھی خارجی اثرسے کوئی لغزش ہوجاتی ہے لیکن فوراًہی دست قدرت اس باہرسے آئے ہوئے غبارکوچہرہ عصمت سے صاف کردیتاہے اس کے بعدچہرہ نبوت پہلے سے بھی زیادہ صاف اورروشن ہوجاتاہے زلت کی مسطورہ بالاحقیقت کے معلوم ہوجانے کے بعدیہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ چونکہ اس کے صدورمیں فاعل کے ارادہ اورمقصدکادخل نہیں ہوتایعنی فاعل اس کوقصداورارادہ سے عمل میں نہیں لاتااوراپنی ذات میں وہ عمل درجہ اباحت اورحدجوازمیں بھی ہوتاہے اس لئے انبیاء علیہم السلام زلات اورلغزشات سے معصوم نہیں ہوتے بلکہ ان کے افعال میں زلات اورلغزشوں کاصدوران کی عصمت کے خلاف اوراس پراثراندازبھی نہیں ہوتاکیونکہ عصمت وحفاظت کاتعلق تومعاصی سے ہے اورزلات بوجہ نہ پائے جانے قصداورارادہ کے سرے سے معاصی میں داخل ہی نہیں ہیں توپھران کاصدورانبیاء علیہم السلام کی عصمت پرکیسے اثراندازہوسکتاہے اورزلات اورلغزشوں سے عصمت کاتعلق کیسے ہوسکتاہے۔

(جاری)

مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری رحمہ اللہ تعالیٰ

نظم وضبط کی اہمیت

نظم وضبط زندہ قوموں کی زندگی کا شعار ہے جن قوموں میں یہ جوہر موجود نہیں ہوتا وہ انفرادی اور اجتماعی افراتفری کا شکار ہوجاتی ہیں اور ان کے معاشرہ سے اتحاد واتفاق کی بیخ کنی ہوجاتی ہے ،انضباط اوقات ،انضباط عمل اطاعت امیر نظم وضبط کے سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں شریعت اسلامیہ میں امیر کی بہت اہمیت ہے اور امیر کے بغیر کسی طرح کا نظم وضبط اور ڈسپلن قائم نہیں رہ سکتا۔جب سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر امیر بنالیا تو اب اس کی اطاعت لازم ہوگئی امیر کا حکم اپنی طبیعت کے موافق ہویا مخالف ہو بہرحال فرمانبرداری لازم ہے۔

حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

بایعنارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعة فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ(مشکاۃ المصابیح ص۳۱۹)کہ ہم نے سرور عالم ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور فرمانبرداری کریں گے تنگدستی ہو یا فراخی ،حکم طبیعت کے موافق خوشگوار ہو یا طبیعت کو ناگوار ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ :السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب و کرہ۔یعنی مسلمان آدمی پر امیر کی فرمانبرداری لازم ہے۔(حوالہ بالا)

آج کل ہمارے معاشرے میں نظم وضبط کی کوتاہی پائی جاتی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص خود مختار رہنا چاہتا ہے ۔دوسرے کے لئے آرام قربان

کرنے کا جذبہ مفقود ہے۔ جو بڑے ہیں وہ چھوٹوں پر رحم کریں اور جو چھوٹے ہیں وہ بڑوں کے احترام اور توقیر کی پاسداری کریں، سب کی منزل ایک ہو مقصد زندگی واحد ہو تو نظم وضبط قابو میں آسکتا ہے، کہنے کو اکٹھے ہوں مگر قلوب مجتمع نہ ہوں تو اس طرح نظم وضبط قائم نہیں ہوسکتا، دوسروں کے لئے قربانی دینے اور سب کے حقوق کی پاسداری کرنے اور ایمانی اخوت کو زندہ کرنے سے نظم وضبط اور ڈسپلن قائم ہوسکتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے نظم وضبط برقرار رکھنے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ سفر میں بھی کسی ایک شخص کو امیر بنا لینے کا حکم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے :اذا کان ثلاثة فی سفر فلیؤمروا احدھم (مشکاۃ المصابیح ص۳۳۹) جب سفر میں تین آدمی ہوں تو ایک شخص کو امیر بنالیں۔

یعنی سفر میں بھی کسی کو بڑا بنا کر اپنے اوپر مسلط کرلیں تا کہ نظم وضبط کے ساتھ مسافت سفر قطع ہو سکے اور حسن انتظام کے ساتھ مل جل کر محبت کے ساتھ رہ سکیں اللہ اللہ! نبی امی ﷺ نے کسی سے کچھ بھی نہیں پڑھا نہ کسی سے عسکریت کی تعلیم حاصل کی نہ اصحاب سلطنت وسیاست کی صحبت اٹھائی مگر نظم وضبط برقرار رکھنے اور ڈسپلن کے ساتھ زندہ رہنے کے متعلق ایسے ایسے گر بتائے کہ اہل خرد حیران ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ان امر علیکم عبد حبشی مجدع یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا له واطیعوا (مشکاۃ المصابیح ص۳۱۹) اگر کسی ایسے شخص کو تمہارا امیر بنا دیا جائے جو غلام ہو اور جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں وہ تمہیں کتاب اللہ کے مطابق لے کر چلتا ہو تو اس کی بھی بات سنو اور فرمانبرداری کرو۔

ایک حدیث میں فرمایا: اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسه زبیبة (بخاری) یعنی بات سنو اور فرمانبرداری کرو اگرچہ تم پر

ایسے غلام شخص کو حاکم بنا دیا جائے جس کا سر اتنا چھوٹا ہو جیسا کہ کشمش ہوتا ہے۔

اللہ اکبر کیسا سنہرا اصول بتایا، امیر کی اطاعت کو دیکھو اور اس کو دیکھو کہ گنہ گاری میں تو نہیں گھسیٹ رہا اور یہ نہ دیکھو کہ اس کی شکل وصورت کیسی ہے، امیر اگر حسن وجمال یا کسی کمال میں تم سے کم ہے تب بھی فرمانبرداری لازم ہے۔

شریعت اسلامیہ میں نماز باجماعت کی بڑی اہمیت ہے اور نماز باجماعت ایک ایسی عبادت ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں رہبری کرتی ہے اور خصوصیت کے ساتھ اجتماعی زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتی ہے، اجتماعی زندگی میں نظم وضبط اور ڈسپلن کی بہت ضرورت ہوتی ہے، امام اور مقتدی کے جو احکام وآداب بتائے ہیں نظم وضبط کے اصول پر مشتمل ہیں سرورعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا (سنن ابی داود شریف) یعنی امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔

نماز باجماعت کے لئے جب صفیں کھڑی ہوں تو ان کے لئے حکم ہے کہ سب برابر ایک سیدھ میں کھڑے ہوں، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نماز میں ہماری صفوں کو اس طرح سیدھی کرتے تھے گویا ان کے ذریعہ تیر سیدھا کیا جارہا ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے مونڈھے پکڑ پکڑ کر سیدھی صف میں کھڑا کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ: استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم یعنی برابر ہو جاؤ اور بے ڈھنگے طریقے پر کھڑے نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سرورعالم ﷺ نے فرمایا کہ :اقیموا الصفوف وتواصوا (اپنی صفیں سیدھی کرو اور اس طرح مل کر کھڑے ہوں کہ جیسے کسی عمارت کی

اینٹیں آپس میں ایک دوسرے سے خوب اچھی طرح جڑی ہوتی ہیں۔اگر ہماری اجتماعی زندگی نماز باجماعت کے نقشہ پر ہوتو امیر کی اطاعت کے بھی خوگر ہوجائیں اور نظم وضبط کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے بھی طبیعتیں آمادہ ہوجائیں۔

جس طرح نماز میں خوب اچھی طرح مل مل کر کھڑے ہونے کا حکم دیا اسی طرح سفر میں بھی قریب قریب رہنے کی تلقین فرمائی سنن ابی داوٗد میں ہے کہ سفر میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب کہیں منزل پر قیام کرتے تو مختلف گھاٹیوں اور متفرق وادیوں میں قیام کر لیتے تھے اس طرح سے لشکر منتشر ہوجاتا تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان گھاٹیوں اور وادیوں میں متفرق ہوکر قیام کرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ طریقہ اختیار کرلیا تھا کہ جب کسی منزل پر پڑاوٗڈالتے تھے تو اس طرح مل کر قریب ہوکر ٹھہرتے تھے کہ ان پر ایک کپڑا ڈال دیا جاتا تو سب اسی میں سما جاتے۔

جہاد کے بارہ میں سرور عالم ﷺ نے فرمایا: الجهاد واجب عليكم مع كل امير براً كان اوفاجراً وان عمل الكبائر (رواہ ابوداود) یعنی ہر امیر کے ساتھ تم پر جہاد کرنا واجب ہے امیر نیک ہو یا بد اگرچہ مرتکب کبائر ہو۔

جہاد کے موقع پر یہ نہیں دیکھنا ہے کہ جو شخص امیر جہاد ہے وہ کیا ہے نیک ہے یا بد ہے، صالح ہے یا فاسق وفاجر ہے، اگر اسی دیکھ بھال میں لگ گئے تو دشمن روندڈالے گا، اجتماعی نظم وضبط کا تقاضا ہے کہ امیر کی امارت میں جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور ہر شخص اپنے کو اسلام کا سپاہی سمجھے جو کام اس کے ذمہ ہو وہ اس کو انجام دے اور اگر امیر کام سپرد نہ کرے تب بھی اپنی محنت اور استعداد کے مطابق جہاد میں شریک ہو۔ وبالله التوفيق وهو خير عون وخير رفيق (تبلیغی واصلاحی مضامین ج۷، ص۲۸)

مفتی سعید احمد خان صاحب

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی

بے خبری یا تجاہل عارفانہ (قسط ا)

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب، عصر حاضر کی ان نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ایک ہیں، جن کے قارئین کا، پوری دنیا میں ایک حلقہ موجود ہے۔ لوگوں کو ان کی تحریرات کا انتظار رہتا ہے اور ہزاروں افراد نہ صرف یہ کہ ان کے مشن سے وابستہ ہیں بلکہ کسی بھی معاملے میں انہیں جو ہدایات، مولانا کی طرف سے ملتی ہیں۔ وہ دل وجان سے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے چند ایک پڑھے لکھے حضرات میں ان کا نام شمار کیا جاتا ہے اور ان کی جو پذیرائی مغربی ممالک میں ہورہی ہے، اس کا اندازہ کچھ انہی حضرات کو ہوسکتا ہے، جو ان کے شمارے ''الرسالہ'' کے مستقل قاری ہیں۔ ان کی شخصیت جیسا کہ روز اول سے ہوتا چلا آیا ہے موضوع سخن رہی ہے، اب بھی ہے اور جب وہ دنیا میں نہیں ہوں گے، اس وقت بھی اپنے نقاد اور مداحوں کے درمیان گھری رہے گی۔ الرسالہ میں ان کی بعض تحریرات شہ پارہ ہیں اور ہماری نئی نسل کی رہنمائی میں ہمیشہ معاون ثابت ہوتی ہیں لیکن اس تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ ان کی بعض تحریرات اہل ایمان ودانش کے لیے سخت خلجان کا موجب بھی بن جاتی ہیں۔ انگلی کو دانتوں میں دبائے بغیر، چارہ نہیں رہتا کہ جس شخص اور اس کے قلم کی صلاحیتیں اسلام کے مخالفین اور شکوک وشبہات کی جڑ کھودنے میں صرف ہورہی ہیں انہی صلاحیتوں کا رُخ پھرا اور کوئی ایسی تحریر وجود میں آگئی، جو اہل کفر اور افواج باطل کے لیے ایک عمدہ ہتھیار کا کام دے سکے۔

دو دھاری تلوار جب کھنچ جائے اور دشمنوں ہی کو نہیں دوستوں کو بھی اپنا دفاع کرنا پڑے، تو اس کاٹ کی مدح سرائی کیونکر ہو۔

ماہ رواں، اکتوبر 2011ء کا شمارہ ''الرسالہ'' نظر نواز ہوا اور اس ماہ کا موضوع ہے ''ختم نبوت''۔ ختم نبوت جو ہر مسلمان کا بنیادی عقیدہ اور کفر و اسلام کا ایک امتیازی نشان ہے، مسلمانوں میں کبھی بھی متنازعہ نہیں رہا جس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ،اسے اور اس کے ماننے والوں کو اُمت مسلمہ نے کبھی بھی اپنی صفوں میں کوئی جگہ نہیں دی۔ دعوائے نبوت اس قدر ہولناک ہے کہ اس کے مدعی کے کلام کی توجیہہ و تاویل کبھی بھی قابل اعتبار و التفات نہیں ٹھہری۔ اب تک جس آخری شخص نے نہایت شدّ و مد سے دعویٰ نبوت بھی کیا اور انہیں اپنے ماننے والوں کی جماعت بھی میسر آئی ، وہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تھے۔ الرسالہ کے اس ''ختم نبوت'' نمبر میں ، اس دعوائے نبوت کی تاویل کرتے ہوئے ، جناب مولانا وحید الدین خان صاحب اس دعوے کی نہ صرف یہ کہ نفی کرتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جناب مرزا غلام احمد صاحب کے دعوائے نبوت کی تاویل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں ظلِّ نبی ہوں ،یعنی میں نبی کا سایہ ہوں۔ اس طرح کے قول کو ایک طرح کی دیوانگی تو کہا جاسکتا ہے، لیکن اس کو دعوائے نبوت نہیں کہا جاسکتا۔ (1 ماہنامہ الرسالہ ، اکتوبر 2011ء ص:13)

اس تحریر کو پڑھ کر افسوس تو اس لیے ہوا کہ جو شخص کتاب و سنت کے معترضین کے تابڑ توڑ حملوں کا ترکی بہ ترکی جواب دے اور اپنی زندگی اسلام کے دفاع اور اقدام کے

لیے وقف کردے، اس کے قلم سے قلب وروح کے لیے ایسی خوں چکاں تحریر برآمد ہو؟ ایسی تحریر جس کو منکرین ختم نبوت بطور ڈھال استعمال کریں؟ اور حیرت اس لیے کہ جس شخص کی وسعت مطالعہ کے اپنے، پرائے سب قائل ہوں اور مغرب اور کسی حد تک مشرق کا لٹریچر، تاریخ اور مذہبی کتابیں جس کی انگلیوں کے پوروں (Finger Tips) پر ہوں، اسے وہ بات معلوم نہ ہو جو مسلمانوں کے بچے بچے کی نوک زبان پر ہے اور جس دعوے کو اس کے مدعی نے بار بار تحریر فرمایا ہو۔ جس دعوے پر خود ان کی اپنی جماعت دو ٹکڑوں میں بٹ چکی ہو اور جس دعوے کی بیخ کنی کے لیے اُمت مسلمہ اپنا گرم لہو بہا چکی ہو، کیا جناب مولانا وحید الدین خان صاحب اسی دعوے کی اس مدعی سے نفی کرتے ہیں اور اپنی اس تحریر سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔

معروضہ یہ ہے کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہمیشہ نبوت کا دعویٰ کرتے رہے ہیں اور بالکل صاف اور واضح الفاظ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول کہتے رہے ہیں۔ ان کی زبان اور قلم ہمیشہ اپنے سننے اور پڑھنے والوں سے یہی تقاضا کرتی رہی ہے اور اب بھی ان کی جماعت کا اصولی مؤقف یہ ہے کہ ان کے مقتدا اور پیشوا جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو نبی اور رسول مانا جائے۔ خود جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تحریر فرماتے ہیں:

> حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔

اس تحریر میں وہ صاف اور واضح الفاظ میں یہ دعویٰ کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی

پاک وحی ان پر نہ صرف یہ کہ نازل ہوئی ہے بلکہ اس وحی کے ذریعے انہیں ایک آدھ مرتبہ نہیں، سینکڑوں مرتبہ اس شرف سے نوازا گیا ہے کہ وہ صرف نبی ہی نہیں اللہ تعالیٰ کے رسول بھی ہیں۔

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

چنانچہ وہ مکالماتِ الٰہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں، ان میں سے ایک وحی اللہ (اللہ تعالیٰ کی وحی) ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین كله (دیکھو براہین احمدیہ، ص:۴۹۸) اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔

اس عبارت میں بھی جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی واضح الفاظ میں تحریر فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چند سطروں کے بعد تو انہوں نے ایسی عبارت لکھی ہے، جو کسی بھی اشتباہ یا تاویل کا موقع فراہم نہیں کرتی۔

یہ وحی اللہ (اللہ تعالیٰ کی وحی) ہے محمد رسول اللهؐ والذین معه اشدآء علی الكفار رحماء بینهم اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔

نہایت واضح الفاظ میں انہوں نے اپنا دعویٰ بیان کیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ''محمد'' تجویز فرمایا ہے۔ (پناہ بخدا۔ ان تمام عبارات کے لیے ملاحظہ ہو (روحانی خزائن، جلد: 18 ص: 207-206۔ (ب) ایک غلطی کا ازالہ، ص: 3-2)۔

صرف اس ایک کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' ہی نہیں بلکہ ان کی متعدد کتابوں

میں بار بار اس دعوے کی تکرار کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔

وہ اپنی وحی کو بھی قرآن کریم کے ہم پلہّ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر۔ (روحانی خزائن، جلد: 17، ص: 454۔ (ب) اربعین لاتمام الحجۃ علی المخالفین نمبر4، ص: 112)۔

وہ اپنی وحی پر جس قدر یقین رکھتے ہیں، یہ بالواسطہ طور سے دعوائے نبوت ہی تو ہے۔ انہوں نے ہمیشہ نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا ہے اور اس اِدّعا میں کبھی کوئی کسر باقی نہیں رہنے دی۔ حتیٰ کہ جو لوگ ان کی نبوت و وحی کا انکار کرتے ہیں، وہ انہیں جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس طرح کی تحدّی وہی افراد کرتے ہیں جو اپنے دعوے کو حتمی اور قطعی جانتے ہیں۔ وہ اپنے مخالفین کو ہرگز کوئی لچک دکھانے کو تیار نہیں ہیں اور فرماتے ہیں۔

انّ العدا صاروا خنازیر الفلا

ونساء هم من دونهن الاکلب

دشمنان ما خنزیر ہائے بیابان شدہ اند و زنان آنہا سگ مادہ ہارا درپس انداختہ اند۔ دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔ (روحانی خزائن، ج: 14، ص: 53، (ب) نجم الہدیٰ، ص: 10)

یہ عربی شعر بھی انہی کا ہے اور پھر اس کے فارسی واُردو تراجم بھی خود اُنہی کے ہیں۔

اب اس سے زیادہ صاف، صریح اور واضح الفاظ، وہ کون سے ہیں جن کے ذریعے وہ دعویٰ نبوت کریں؟

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب سے درخواست ہے کہ اگر اب تک انہوں نے احمدی حضرات کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا تواُن کی کتاب ''روحانی خزائن''کوغور سے پڑھیں اور کسی بھی شخص یا فریق کی بات سنے، ان کا لٹریچر پڑھے اور ان کے متعلق کسی بھی ٹھوس ثبوت کے بغیر کوئی حکم لگانا، بعید از انصاف ہے۔ان کی جماعت کے کسی بھی ذمہ دار فرد سے اگران کا مسلک دریافت کیا جائے تو وہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوت ورسالت کا ہی اقرار کرتے، نظرآئیں گے۔

جناب وحیدالدین خان صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اپنی تحریر کوواپس لیں اورا پنے مؤقف سے رجوع کریں۔پوری اُمت مسلمہ کے مقابلے میں وہ فرد واحد اور تنہا ہیں جنہوں نے یہ چونکا دینے والا دعویٰ کیا ہے اور یا پھر یوں کہیں کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ نبوت کی تاویل کی ہے۔اس طرح کی تحریر ان کی دیگر تحریرات کے مطالعے میں، خود ان کے دوستوں کے لیے بھی سدّ راہ ثابت ہوسکتی ہے۔

یہ تمام تحریر بھی اس صورت کے لیے ہے کہ یہ فرض کرلیا گیا کہ جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی نظر سے جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ایسی تحریرات اور کتابیں نہیں گذریں۔ لیکن اگر وہ ان کی کتابوں کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تو پھر وہی مثل صادق آتی ہے کہ ہم سوئے ہوئے کو تو بیدار کرسکتے ہیں، اس کو نہیں جو سویا بن رہا ہے۔

یہ مؤقف جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا ہی نہ تھا بیان اور تحریر کرتے ہوئے اس واقعے کو بھی نہ بھلانا چاہیے جو خود ہمارے شہر راولپنڈی میں 1937ء میں پیش آیا تھا۔ ہمارے نانا مرحوم اس مناظرے کے چشم دید گواہ تھے۔وہ اس مناظرے کی داستان بھی سنایا کرتے تھے اور یہ بتاتے تھے کہ دونوں گروہ اپنے اپنے دلائل دن کو تحریر

کر کے رات کو سنایا کرتے تھے۔ یہ مناظرہ ماسٹر دیوان چند صاحب کے ہال میں منعقد ہوا تھا اور اس میں مولوی ابوالعطاء صاحب نے قادیانی حضرات کی طرف سے اور مولوی اختر حسین گیلانی صاحب نے لاہوری حضرات کی طرف سے دلائل دیے تھے۔ دیگر مسائل کے علاوہ ایک مسئلہ جو بہت زور و شور سے زیر بحث آیا ''مسئلہ نبوت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی'' بھی تھا۔ احمدیت کے دونوں گروہوں (لاہوری اور قادیانی) سے بعد اور ان کا اُمت مسلمہ سے الگ ہونا، یہ حقائق بچپن ہی سے انہوں نے ذہن نشین کرا دیئے تھے۔ بعدازاں اس مناظرے کی تفصیلات کا جب خود مطالعہ کیا تو کتابوں سے بھی ان کے بیان شدہ واقعات کی تصدیق ہوتی رہی۔ مطالعے نے ان کے بیان کردہ حقائق کے علم میں کوئی خاص اضافہ نہیں کیا۔(اس مباحثے کی تفصیلات جاننے کے لیے ملاحظہ ہو 1مباحثہ راولپنڈی۔ اس عظیم الشان مناظرے کی تمام تفصیلات شائع شدہ ہیں اور اس کی اوّلین اشاعت پر قادیانیوں کی دونوں جماعتوں (لاہوری اور قادیانی) نے مشترک خرچ برداشت کیا تھا۔ 2تاریخ احمدیت۔از 1934ء تا 1939ء چوتھا باب، فصل ششم، جلد:7، ص:533)

مناظرے کا قصہ مختصر یہ تھا کہ مرزاغلام احمد صاحب قادیانی کے ماننے والوں کا ایک گروہ تو وہ تھا جن کا تعلق لاہور شہر سے تھا اور وہ اسی نسبت سے لاہوری مرزائی کہلاتے تھے اور ہیں اور دوسرے گروہ کا تعلق قادیان سے تھا اور وہ قادیانی مرزائی کہلاتے تھے اور اب تک ان دونوں گروہوں کو اسی نسبت سے پکارا جاتا ہے۔ لاہوری گروہ کا بھی کچھ وضاحت کے ساتھ تقریباً یہی دعویٰ تھا، جو آج مولانا وحید الدین خان صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور ان کے دعوائے نبوت کے الفاظ کی تاویل کرتے تھے اور یہ کہ وہ اپنی صدی کے مجدد تھے۔جب کہ دوسرے گروہ کا عقیدہ، عقیدہ نبوت و رسالت تھا۔مناظرے میں دونوں

طرف سے عبارات پیش کی گئیں لیکن دوسرا گروہ غالب آیا اور ان کی فتح اسی بات پر ہوئی کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے نبوت اور رسالت ہی کا دعویٰ کیا تھا۔ اس لیے اس بحث کا کھوج لگانے کو ''مباحثۂ راولپنڈی'' کو بھی خاص طور پر زیر مطالعہ رکھنا چاہیے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے کبھی بھی دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ایک سکھ گرو گربچن سنگھ (وفات: 1980) کی مثال دی ہے کہ جناب مولانا وحید الدین خان صاحب ان سے ملے کیونکہ ان کے کچھ معتقدین انہیں وقت کا پیغمبر (Prophet of the time) کہتے تھے لیکن گربچن سنگھ نے خود کبھی اپنی زبان سے دعوائے نبوت نہیں کیا تھا۔

پھر اپنے دعوی کی تائید میں مزید ایک ہندو گرو برہما شری کروناکرا کی مثال پیش کرتے ہیں کہ جب ان سے سوال کیا کہ

Q: Do you Claim that you are a prophert of God in the same sense in which Moses,and Jesus,and Muhammad

claimed they were prophets of God.

کیا آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس معنی میں (سیدنا) موسیٰ، (سیدنا) عیسیٰ اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہم اجمعین) اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، میں بھی اسی طرح خدا کا پیغمبر ہوں؟

تو انہوں نے جواب دیا:

Ah No, I don't make any such claim نہیں میں نے کبھی ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔

پھر ان دو مثالوں کے بعد وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

جس طرح خدا کے سوا کوئی اور شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں خدائے رب العالمین ہوں، اسی طرح کوئی شخص یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر (Prophet of God) ہوں۔ (ماہنامہ الرسالہ، اکتوبر 2011ء، ص:14-13)

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب سے گذارش یہ کرنی ہے کہ اس تمام کتھا کو جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوائے نبوت ورسالت سے، واسطہ کیا ہے؟ ایک سکھ اور ایک ہندو گرو نے دعویٰ نبوت سے انکار کر دیا، بالکل درست ہے اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جناب غلام احمد صاحب قادیانی نے دعوائے نبوت کیا ہے۔ اس کے تاریخی، ناقابل تردید ثبوت، انہی کی کتابوں سے پیش کر دیے گئے ہیں تو دونوں باتیں حقیقت پر مشتمل ہیں یہ دونوں حقائق ایک دوسرے کی نفی تو نہیں کر رہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سکندر بادشاہ تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لاہور ایک قدیم شہر ہے۔ دونوں حقائق کا اپنا اپنا مقام ہے ایک حقیقت دوسری حقیقت کی کاٹ تو نہیں کر رہی۔

دوسرے اس بات پر بھی غور فرما لینا چاہیے کہ اگر یہ دونوں گرو دعوائے نبوت کر بھی لیتے تو کیا فرق پڑتا۔ ان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ان کے دعوے کی حیثیت اور بنتی ہے اور وہ شخص جو مسلمان ہو (جیسے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ابتداءً مسلمان ہی تھے) اور پھر دعویٰ نبوت کر کے مرتد ہوجائے اور پھر ارتداد کے باوجود وہ خود اور اس کو نبی ورسول ماننے والے حضرات وخواتین اپنے آپ کو مسلمان سمجھیں اور مسلمان ہونے پر اصرار کریں، ان کی حیثیت کچھ اور بنتی ہے۔ ایمان کسی شخص کے قبول کرنے کے اعتبار سے اجزاء پر مبنی نہیں ہے کہ کوئی شخص پچاس فیصد ایمان قبول کرے تو آدھے عقائد (50%) کو ماننے کی وجہ سے مسلمان کہلائے اور کوئی نوے فیصد (90%) ایمانیات کو

قبول کرے تو وہ مومن ہو۔

مسلمان ہونے کے لیے تو بیک وقت پورے ایمان کو قبول کرنا اور مرتد ہونے کے لیے اُن قطعی عقائد میں سے کسی ایک عقیدے کا انکار بھی کافی ہے والعیاذ باللہ۔

اس لیے یہ دو گروؤں کی مثال آپ کے مؤقف کی تائید نہیں کرتی ان کے عقائد میں بیسیوں کفر شامل ہیں۔ بالفرض وہ نبوت کا دعویٰ کر بھی دیتے تو کیا ہوتا اور جب انہوں نے نہیں کیا تو کیا وہ مسلمان ہوگئے؟ ان کے لیے صرف ختم نبوت پر ایمان لانا ہی ضروری نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی ایمانیات کے ہر ہر جز پر ایمان لانا ضروری تھا جب کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تو اصلاً مرتد ہوگئے تھے اور انہوں نے اپنے دعویٰ نبوت کے لیے جو مدارج طے کرنے کا دعویٰ فرمایا یا اپنے اس دعوے کا سفر کیسے طے کیا، ان کی منازل اور پڑاؤ کیا تھے، اس کی تفصیل بھی آتی ہے۔

آمدم بر سر مطلب کہ گروؤں نے دعویٰ نبوت کیا یا نہیں کیا، جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بہت دھڑلے سے دعویٰ نبوت کیا۔ اور جناب مولانا وحید الدین خان صاحب نے دو گروؤں کی مثال دے کر جو مرزا صاحب کے دعوائے نبوت کے جرم میں تخفیف اوران کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے، یہ بالکل درست نہیں ہے۔ دونوں معاملات (Cases) الگ الگ ہیں۔ تقریب تفہیم کے لیے فقہ کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے تاکہ ناواقف لوگ اور خود جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کے قارئین اس فرق کو جان سکیں کہ شرعی مسائل میں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں حتیٰ کہ غیر مسلم جو نبوت کے قائل نہ ہوں اور وہ غیر مسلم جو اہل کتاب ہوں، ہر ایک کے درمیان شریعت نے فرق کیا۔ ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھا ہے اور ہر ایک سے عدل کیا گیا ہے۔ مثال یہ ہے کہ کسی مسلمان شخص کی مسلمان بیوی اپنی عادت کے مطابق ایام سے فارغ ہوگئی تو شوہر سے

اس کی قربت صحیح معنی میں اس وقت جائز ہوگی جب وہ عورت یا تو غسل کرے اور یا پھر اس پر کم سے کم ایک نماز کا وقت گذر جائے ۔اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوئیں تو شوہر سے قربت اگرچہ جائز ہو، لیکن کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں اور یہی صورت اگر کسی اہل کتاب عورت (کتابیہ) کے ساتھ پیش آجائے تو اس کی عادت کے مطابق جب اس کے ایام پورے ہوگئے تو شوہر کی اس سے قربت فوری طور پر جائز ہوجائے گی کیونکہ نہ تو اس عورت کے لیے غسل کا حکم ہے اور نہ ہی نماز کا۔وہ جب مسلمان ہی نہیں تو اسلام اسے اپنی فروعات کا پابند نہیں کرتا۔

یہ تو ایک فروعی مثال ہے جب کہ ختم نبوت کا عقیدہ قطعی عقائد میں سے ہے اسلام ان دونوں گروؤں سے مکمل مسلمان ہونے کا مطالبہ کرتا ہے۔نہ یہ، کہ وہ صرف ختم نبوت کے عقیدے پر قائم رہیں تو ان کا یہ عقیدہ قابل قبول ہے اور اسلام مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے عمر بھر یہ مطالبہ کرتا تھا کہ وہ اپنے دعوائے نبوت سے دستبردار ہوکر توبہ کریں اور اگر ان کے بقیہ عقائد درست ہیں تو پھر وہ مسلمان ہیں اور اب بھی ہمارا مطالبہ ان کے ماننے والے دونوں گروہوں ، لاہوریوں اور قادیانیوں سے یہی ہے کہ وہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مرتد مان کر ان کے دعوائے نبوت کی تکذیب کریں اور حضرت رسالت مآب ﷺ کو خاتم النبیین مانیں اور اس عقیدۂ ختم نبوت کی وجہ سے نزول مسیح وغیرہ دیگر ضروریات عقائد دین واسلام کا اقرار کریں۔

قادیانی یا لاہوری حضرات کے مسلمان ہونے کے لیے جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تکذیب کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک کسی بھی غیر مسلم کے مسلمان ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ جس دین کو چھوڑ کر مسلمان ہورہا ہے، اس دین سے بیزاری کا اظہار بھی کرے۔

چنانچہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کوئی غیر مسلم کیسے مسلمان ہو؟ تو انہوں نے فرمایا وہ پہلے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت رسالت مآب ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی میں آیا ہے اسے ماننے کا اقرار کرے اور جس دین کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو رہا ہے ، اس دین سے بیزاری کا اظہار کرے۔فقال يقول أشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله ويقر بما جاء من عندالله ويتبرأ من الذي انتحله كذا في البحر عن شرح الطحاوي وصرح في العناية بأن التبري بعد الاتيان بالشهادتين(حاشية درر الحكام شرح غرر الأحكام، كتاب الجهاد، باب المرتد ، ج:١،ص:٣٠١)

اس سلسلے میں علامہ شامی قدس اللہ سرہ السامی نے جو بحث کی ہے۔اسے بھی ملاحظہ فرمانا چاہیے۔(حاشية ابن عابدين، كتاب الجهاد ، باب المرتد،ج:١٣ ص:١٩،المقوله :٢٠٢٩٥)

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

یکم شوال المکرم: حضرت صدر مدظلہم نے عیدالفطر کے موقع پر مسلمانوں کے بڑے اجتماع سے عید گاہ حقانیہ میں بیان فرماکر نماز عید اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

۷: جامعہ حقانیہ میں شعبہ حفظ کی سالانہ تعطیلات کے بعد تعلیم کا آغاز ہوا، اللہ پاک نئے تعلیمی سال کو مبارک فرمائیں اور جامعہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائیں۔

۱۱: جامعہ میں درجہ کتب کے داخلوں کا آغاز ہوا اور ۱۵/ شوال سے باقاعدہ نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا حضرت صدر مدظلہم نے مشکاۃ شریف کی پہلی حدیث پر کلام فرماکر دعا فرمائی۔

۲۰: حضرت مدظلہم نے جامعہ اسلامیہ حنفیہ شاہ نکڈر میں افتتاح بخاری شریف کی تقریب میں بیان فرمایا۔

۲۶: حضرت صدر مدظلہم نے درجہ تخصص فی الفقہ سال اول کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اور بعد عشاء جامع مسجد امام اعظم (زینب مسجد) ساہیوال میں طلباء کو ناظرہ قرآن پاک مکمل کرنے پر آخری سبق پڑھا کر بیان فرمایا۔

۲۹: حضرت مدظلہم نے جامعہ ھذا میں تین روزہ حج تربیتی کورس کے موقع پر خواتین وحضرات کو چند ہدایات دیں باقی ایام میں حضرت مولانا مفتی محمد حبیب اللہ صاحب مدظلہم نے حجاج کرام کو تربیت دی۔ حق تعالیٰ ان کا حج قبول ومنظور فرمائیں آمین۔

۵: ذیقعدہ: حضرت مدظلہم نے مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ مبھارے خان، مدرسہ احیاء السنۃ فروکہ اور مدرسہ ربیع القرآن فروکہ میں بیانات فرماکر تعلیم کا آغاز فرمایا۔

۷: حضرت مدظلہم نے جامعہ اسلامیہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی میں افتتاح بخاری شریف کے موقع پر بیان فرمایا۔

۱۵: حضرت مدظلہم تین روزہ تبلیغی اصلاحی دورہ پرمری اسلام آباد تشریف لے گئے جہاں اصلاحی مجالس سے بیانات فرمائے۔

۱۹: حضرت مدظلہم نے جامعہ خدیجۃ الکبری للبنات دھنی ضلع گوجرانوالہ میں افتتاح بخاری شریف کی تقریب سے بیان فرمایا۔

۲۲: حضرت مدظلہم جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھامی ہفتہ وار بخاری شریف کا سبق پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔

۲۴: حضرت مدظلہم نے جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں جلسہ عام سے بیان فرمایا۔

۲۷: جامعہ ھذا میں حضرت مولانا عبدالغفار تونسوی مدظلہم تشریف لائے اور تین روز فرق باطلہ کے رد پر درجہ تخصص کے طلباء کو درس دیا۔

۶: ذوالحجہ: حضرت مدظلہم نے جامع مسجد عمر سلانوالی اور مدرسہ امدادیہ فتحیہ میں ماہانہ درس ارشاد فرمایا۔

۸: حضرت مدظلہم نے جامعہ قاسمیہ گوجرانوالہ میں بیان فرمایا اور جامعہ میں عیدالاضحی کے موقع پر ایک ہفتہ کی تعطیلات ہوئیں۔

۱۰: حضرت مدظلہم نے عیدالاضحی کے موقع پر عیدگاہ حقانیہ میں نماز عید اور خطبہ ارشاد فرمایا۔